ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

پریم چند اور معاشرتی ناول نگاری

*صولت رحمان

**ڈاکٹر محمد طاہر (ڈاکٹر طاہر شہیر)

ABSTRACT:

If we talk about literature for life, in Urdu literature, Munshi Prachanda's name holds a prominent place in this regard. Premchand recognized his position as a fiction writer, while as a novelist he also made the most sensitive topics of society a part of his writing. Great literature is one that is a true representative of society and highlights social problems. If we talk more than that, a great writer is one who not only highlights the problems of society in his literature but also presents all possible solutions to them. Premchand is also a writer of the same thought. And he highlights social problems and represents the oppressed class. Munshi Premchand tries to create awareness in society with his writing. He writes five Novels "Bazar e Husan", "Nirmala", " Gosha e Afiyat, "Gaodhan" and "Midan e Amal". In this research article, we will review the social themes raised in Premchand's novels.

ادب انسان سے ہے اور انسان معاشرے سے۔ لہٰذا معاشرتی عروج وزوال نشیب وفراز اور تغیرات کے ساتھ ادب مختلف ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے اپنے رستے کا تعین کرتا ہے۔ کوئی بھی ادب اس وقت تک زندہ رہنے کا دعویدار نہیں ہو سکتا جب تک وہ معاشرتی تصویر کا عکاس نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دیومالائی قصے کہانیاں اپنے باطل وجود کی طرح لوحِ حافظ سے مٹتی چلی جاتی ہیں۔ یاد رہتے ہیں تو محض وہی قصے جو روئے ارض سے پھوٹتے ہیں اور پھر ماضی کا حصہ بن کر خزاں رسیدہ پتوں کی طرح ادھر اُدھر بکھر جاتے ہیں۔ لیکن ان کا بکھرا ہوا وجود بھی نا صرف اپنے ہونے کی دلیل دیتا ہے بلکہ یہی دلیل اہل فردا کو ماضی کی معاشرتوں کے زیر و بم سے آگاہی دینے میں معاون بھی ہوتی ہے۔

ہندوستان میں بیسویں صدی کا سورج متنوع تغیرات لے کر طلوع ہوا۔ ایک طرف سامراجی قوتوں کو سینہ گیتی پر اپنے پنجے مضبوط ہوتے ہوئے نظر آئے تو دوسری طرف غلام اقوام کی رگوں میں دوڑنے والا خون ان کی آنکھوں میں اترنے لگا۔ جبکہ ادب بذاتِ خود، ان عوامل کے ردِ عمل میں دو مختلف جہات میں بٹ گیا۔ بیسویں صدی میں ایک طرف تو ایسا گوہ سامنے آیا جو زیریں اور بالائی طبقے کی جدلیت سے گھبرا کر حقیقت سے آنکھیں میچتے ہوئے عالم خیال کی وسعتوں میں کھو گیا اور رومانویت پر تکیہ کر بیٹھا تو دوسری طرف کچھ ایسے ادیب پیدا ہوئے جن میں ہولناک حقائق کا سامنا کرنے کی جرات بھی اور انہیں صفحہ قرطاس پر اتارنے کی قدرت بھی۔ یہی وہ ادیب ہیں جنہوں نے ادب اور معاشرے کے حقیقی تعلق کو پہچانا اور ایسا ادب تخلیق کیا جو اپنے عہد کی زندہ تصویر بھی بن گیا اور تخلیقی عمل کا معیاری نمونہ بھی۔

بیویں صدی کے آغاز تک ہندوستانی مزدوروں اور کسانوں کے لیے زندگی اجیرن بن چکی تھی۔ کھیت کھلیانوں اور کارخانوں میں یہ دونوں طبقے خون پسینے میں اپنی زندگیاں بہا رہے تھے۔ لیکن سوا سیر گیہوں کا سود ختم ہونے کو ہی نہیں آتا تھا۔ زمینداروں اور سرمایہ داروں کو پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کی پشت پناہی حاصلؒ تھی پھر ملکہ وکٹوریہ کے اس اعلان نے انہیں حکومت برطانیہ کا آشیر باد بھی دے دیا۔ اس اعلان کے بعد زمینداروں اور سرمایہ داروں کے حوصلے اور بڑھ گئے اور حکومتِ برطانیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے چکر میں وہ کسانوں اور مزدوروں کو ظلم کی چکی میں مزید پیسنے لگے۔ یوں اس زیریں طبقے کی زندگی اس کے اپنے لیے وبال جان بن گئی۔ پریم چند نے اس سماجی اور ادبی پسِ منظر میں اپنے تخلیقی سفر کا آغاز کیا۔ ان کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ زبوں حالی کے اس عہد میں گھناؤنے زمینی حقائق سے چشم پوشی کر کے طبع حساس کی تسکین کے لیے وہ رومان کی رنگین فضاؤں میں کھو جائیں اور اپنے اور اپنے قارئین کے لیے ایک ایسی جزوقتی جنت تخلیق کر لیں جس میں زندگی محض مسرت کوشی کا نام ہو اور تسکین صرف خواب میں ممکن ہو۔ یا دوسری طرف اس حقیقی زندگی کی تصیر کشی کریں جو غم واندوہ، مصائب و آلام، آہ وبقا، نالہ وشیون اور ہر لحظہ جدلی مادیت سے عبارت تھی۔ ایک ایسی کشمکش جس میں زیریں طبقہ استحصال کا شکار تھا اور اس پر مسرتوں کے دروازے کم و بیش بند ہو کر رہ گئے تھے۔

---

*سابق پرنسپل، سٹینڈرڈ کالج، لاہور

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، ایف سی یونیورسٹی، لاہور۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

پریم چند نے آخر الذکر رشتے کو اپنایا۔ اس کے دو ممکنہ محرکات ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ بذات خود ایک پسماندہ دیہاتی پس منظر سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن میں والدہ کی وفات، سوتیلی ماں اور بھائی کے جبر، کم عمری مُس شادی، بیوی سے علیحدگی، باپ کی وفات اور خاندان کی ذمہ داریوں نے انہیں ایک ایسا حساس انسان بنا دیا تھا جو زندگی کی تلخیوں کا سامنا کرنا بھی جانتا تھا اور ہر مفلس شہر کا نوحہ زیست انہیں اپنا معلوم ہوتا تھا لہٰذا وہ زندگی کے تاریک پہلوؤں کو تخلیقی جوہر سے زیور تحریر سے آراستہ کرنے پر بھی قادر تھے۔ دوم یہ کہ انہوں نے یہ راز پا لیا تھا مصائب و آلام زمانہ سے نظریں چرا کر جزوقتی راحت تو حاصل کی جا سکتی ہے۔ تاہم زندہ و جاوید ادب وہی ہوتا ہے جس میں تلخی دوراں کا قرب اور حقیقتِ حال کی روح اساسی عناصر ترکیبی قرار پاتے ہیں۔

تلخی دوراں کو اپنی تخلیقات کی اساس بنانے کا ایک اور محرک یہ تھا کہ پریم چند ٹالسٹائی اور مہاتما گاندھی سے بہت متاثر تھے۔ ٹالسٹائی کی تخلیقات سماجی عوامل اور دیہی زندگی کے گرد گھومتی ہیں اور مہاتما گاندھی پسی ہوئی انسانیت کے حقوق کے علمبردار بن کر ابھرے تھے۔ پریم چند نے تخلیقی عمل کے تناظر میں ٹالسٹائی سے کسبِ فیض کیا اور فکری سطح پر مہاتما گاندھی کے افکار کے مبلغ بن گئے۔ گاندھی سے اپنی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

> "میں اس وقت سے ان (گاندھی) کا چیلا ہوں جب وہ گورکھ پور آئے تھے اس کے بعد ہی میں نے گوشہ عافیت لکھی۔ دنیا میں مہاتما گاندھی کو سب سے بڑا مانتا ہوں۔ ان کا یہی نصب العین ہے کہ مزدور اور کسان سکھی ہوں وہ ان لوگوں کو آگے بڑھانے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں میں لکھ کر اس کی ہمت بڑھا رہا ہوں۔"۱

پریم چند کی تمام تحریریں ان کے انہی نظریات کی عملی تفسیر ہیں۔ افسانوں کے ساتھ ساتھ ناولوں میں انہوں نے بالخصوص اسی پسی ہوئی انسانیت کے مسائل کو اجاگر کیا۔ اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے صرف مسائل کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کم و بیش ہر تحریر میں ان مسائل کے اظہار کے ساتھ ساتھ حل بھی پیش کیا۔ یہ حل منفی روایات اور اعمال کے منفی نتائج دکھانے کی صورت میں قارئین تک پہنچا اور منفی معاشرتی رویوں پر پریم چند کی تخلیقی تنقید کے وسیلے سے بھی منظر عام پر آیا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری پریم چند کے اپنے نظریات کے طریقہ اظہار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "پریم چند جا بجا اپنے نظریات واضح کرتے رہتے ہیں۔ اس کے تین طریقے ہیں ایک تو یہ کہ وہ واقعات کو ترتیب ہی اس ڈھنگ سے دیتے ہیں کہ ان کا خاطر خواہ نتیجہ بر آمد ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کے آپس کے کردار گفتگو میں اپنے نظریات کی تشریح کرتے ہوئے ان کی افادیت و صحت پر روشنی ڈالتے رہتے ہیں۔ تیسرا اور آخری طریقہ یہ ہے کہ پریم چند اپنے کرداروں کے قول و فعل پر موقع بر موقع تنقید کرتے رہتے ہیں جن سے ہمیں ان کے نقطہء نظر کا پتہ لگ جاتا ہے۔"۲

ان کا یہ مذکورہ طریقہ کار افسانوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے اور ناولوں میں بھی۔ اس مختصر مقالے میں مطالعاتی ارتکاز کے پیشِ نظر پریم چند کے ناولوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پریم چند کے پانچوں ناولوں بازارِ حُسن، رملا، میدانِ عمل، گوشہء عافیت اور گئودان کا خمیر ہندوستانی معاشرے سے اٹھایا گیا ہے اور ان سب ناولوں میں پریم چند کا سماجی شعور بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے کی پہلی کڑی "بازارِ حسن" ہے۔ نفسانی خواہشات سے ہٹ کر طوائف کو بطورِ انسان تصور کرتے ہوئے مرزا ہادی رسوا پریم چند سے قبل "امراؤ جان ادا" ایک معرکتہ الآرا ناول تخلیق کر چکے تھے۔ جس میں ایک ناکردہ گناہ کی پاداش میں امراؤ کی ساری زندگی گزر جاتی ہے۔ بازارِ حُسن میں پریم چند طوائف کا ایک اور روپ ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ ناول کا نام اور شانتا کا اہم کردار یہ غلط فہمی پیدا کرتا ہے کہ یہ ناول خاص طور پر طوائفوں کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ناول کا مرکز طوائفوں کا طبقہ نہیں، معاشرے میں ہندوستانی عورت کا مقام ہے۔

ناول کا مرکزی کردار سمن ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا باپ اس کی شادی ایک غریب، کنجوس، عمر رسیدہ شخص گجادھر سے کر دیتا ہے۔ ایک طرف تو سمن کو اپنے خواب ٹوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف پڑوس میں رہنے والی طوائف کی شوخ و شنگ زندگی اسے اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ایک دن گجادھر اور سمن آپس میں جھگڑ پڑتے ہیں۔ گجادھر اسے گھر سے نکال دیتا ہے۔ سمن یوں بھی اپنی شادی شدہ زندگی سے مطمئن نہیں ہوتی لہٰذا وہ گھر سے نکل کر طوائفوں کی شوخ و شنگ زندگی اختیار کر لیتی ہے۔ دور سے نظر آنے والی رنگ و نور سے بھرپور زندگی جلد ہی سمن کو غلاظت کا وہ ڈھیر نظر آنے لگتی ہے جس پر عورت کی حیثیت گوشت کے اس ٹکڑے سے بڑھ کر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

نہیں ہوتی جسے شہر کے آوارہ اور اوباش کتے نوچ کھاتے ہیں۔ اسے میں پرام سنگھ جیسے رفاہی کارکنان کی بدولت غلاظت کی اس زندگی سے باہر آجاتی ہے۔ میونسپلٹی طوائفوں کے لیے علی پور کے قریب ایک الگ بستی آباد کر دیتی ہے جہاں لڑکیوں کی تعلیم وتربیت بھی ہوتی ہے۔ یوں طوائفوں کی منڈی ختم ہو جاتی ہے۔ ادھر گجادھر کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی بُنت اور موضوع کے اعتبار سے "بازارِ حُسن" ایک معیاری ناول ہے تاہم اختتام پر" اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے "کا تاثر ملتا ہے۔ ہمیں برائی کے مداوے کی تراکیب بتانی چاہیے۔ لیکن گجادھر کے شرمندہ ہونے، سمن کے طوائف کی زندگی کو ترک کر دینے اور رفاہی کارکنان اور میونسپلٹی کی کوششوں سے طوائف منڈی کے ختم ہو جانے سے یہ تاثر ملتا ہے جیسے برائی جڑ سے اُکھڑ گئی ہو۔ حقیقی زندگی میں ایسا ممکن نہیں اور جس دن ایسا ہو گیا اس دن نیکی کا وجود بھی ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ اچھائی برائی اور نیکی بدی کا وجود ایک دوسرے سے منسوب ہے۔ امتیاز کے لیے دونوں کا قائم رہنا ضروری ہے کیونکہ منطق کی رو سے اثبات کی نفی ہی اس کے وجود کی ضامن ہے۔ برائی کا بالکل ختم ہو جانا از خود ایک رومانوی طرزِ فکر ہے جس کی توقع پریم چند جیسے حقیقت پسند ناول نگار سے نہیں کی جاتی۔

پریم چند کا دوسرا ناول "نرملا" ہے۔ کرداری اعتبار سے بات کی جائے تو اس ناول میں بھی اس دور کی ہندوستانی عورت پر ہونے والے سماجی جبر اور نفسیاتی کرب کو موضوع بنایا گیا ہے۔ "بازارِ حُسن" میں پریم چند نے طوائف کے ذریعے عورت کو موضوع بنایا تھا اور جسم فروشی کے منفی کاروبار پر تنقید کی۔ جبکہ اس ناول میں وہ ایک گھریلو لڑکی کی بے جوڑ شادی کے ذریعے جہیز کی لعنت کو حدفِ تنقید بناتے ہیں۔

اودھے بان اور کلیانی دیوی، اپنی دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کے ساتھ اطمینان بخش زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی بڑی بیٹی نرملا کا رشتہ بال چند کے بیٹے سے قائم کرتے ہیں لیکن اودھے بان کی ناگہانی موت زندگی کا منظر نامہ ہی بدل دیتی ہے۔ بال چند اور اس کی بیوی رنگیلی جہیز کے لالچی ہیں۔ جبکہ باپ کی موت کے بعد نرملا کے گھر پر مفلسی کا راج ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً بال چند نرملا کو اپنی بہو بنانے سے انکار کر دیتا ہے۔ نرملا کی ماں جلد از جلد اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لیے اس کی شادی اس کے باپ کی عمر کے برابر ایک شخص طوطارام سے کر دیتی ہے۔ یوں کم سن نرملا کو ایک ادھیڑ عمر شوہر کے ساتھ تین جواں سال بیٹے اور ایک نندے شاری تحفے میں ملتے ہیں۔ طوطارام کا بڑا بیٹا پڑھائی لکھائی کا شوقین ہے۔ نرملا اس سے پڑھنا لکھنا سیکھنے لگتی ہے۔ طوطارام کو اپنے بیٹے اور نرملا کے تعلقات پر شک ہونے لگتا ہے۔ یوں ہنسارام باپ کی شدید مار پٹائی کے ردِ عمل میں گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ بیمار پڑ جاتا ہے۔ نرملا اس سے ملنے ہسپتال جاتی ہے اور وہ اپنی سوتیلی ماں کے بازوؤں میں دم توڑ دیتا ہے۔ زندگی جیسے تیسے جاری رہتی ہے۔ نرملا کی پڑوسن سدھا اور ڈاکٹر سہنا نرملا کے غم خوار اور محسن بن کر سامنے آتے ہیں۔ جب سدھا کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نرملا کی شادی دراصل ڈاکٹر سہنا سے ہونی تھی تو وہ سہنا کے ماں باپ کے منفی رویئے پر خاصا احتجاج کرتی ہے۔ اس غلطی کے ازالے کے لیے وہ ڈاکٹر سہنا کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کی شادی نرملا کی چھوٹی بہن سے کر دے۔ نرملا اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لیے اپنی بیٹی سمیت میکے آتی ہے اور روز کے جھگڑوں اور جسمانی تشدد سے چھٹکارے کے لیے کچھ روز وہیں قیام کرتی ہے۔ اسی دوران وہ بیمار پڑ جاتی ہے اور اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتی ہے۔ غم واندوہ سے اس بھرپور زندگی کے آخری لمحات میں وہ یہ وصیت کر جاتی ہے کہ اس کی بیٹی کی شادی کم سنی میں نہ کی جائے اور اس کا شوہر عمر رسیدہ نہ ہو۔ طوطارام کو اپنے کیے پر افسوس ہوتا ہے لیکن وقت پر کسی کا بس نہیں چلتا۔

راقم الحروف کے خیال میں یہ ناول اپنی بُنت کے اعتبار سے بازارِ حُسن سے زیادہ مضبوط ہے۔ اس کا اختتامیہ اس لیے مبنی بر حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں نجانے کتنی لڑکیاں اپنی بقا کی جنگ لڑتے لڑتے موت کے آگے ہار جاتی ہیں لیکن مصائب و آلام کا سلسلہ ختم نہیں ہو پاتا۔ شروع سے آخر تک اپنے موضوع پر پریم چند کی گرفت اس ناول کو معیاری تخلیق کے درجے تک پہنچا دیتی ہے۔ سدھا اور ڈاکٹر سہنا معاشرے کے چند ان افراد کی علامت ہیں جو معاشرتی فلاح کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں لیکن شاید ان کی تعداد اور سکت معاشرتی برائیوں کی ماہیت سے کہیں کم ہے تاہم وہ اپنے حصے کی شمعیں فلانے سے گریز نہیں کرتے۔ بال چند رنگیلی اور طوطارام ہمارے معاشرے کے وہ اکثریتی کردار ہیں جن کی ہوس اور حرص ختم ہونے میں نہیں آتی۔ ہنسارام معاشرے کا وہ بدقسمت طبقہ ہے جسے زندگی تہمتوں کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ جب کہ ناول کا مرکزی کردار نرملا ان بے شمار لڑکیوں کا استعارہ ہے جو کم سنی کی شادیوں، غربت اور معاشرتی ہوس کا نشانہ بنتی رہتی ہیں۔ اس کے باوجود انہیں ستم بالائے ستم سہنا پڑتا ہے۔

پریم چند کا تیسرا ناول گوشہء عافیت بھی ان کے گہرے سماجی شعور پر دال ہے۔ 1920ء میں شائع ہونے والے اس ناول میں مکھن پور کی تباہی اور بربادی کی داستان رقم کی گئی ہے۔ اس ناول کا پس منظر دراصل جنگ عظیم اول کا خاتمہ اور پہلی عالمی جنگ کے بدترین اقتصادی اثرات ہیں۔ جب کبھی دنیا معاشی بحران سے دوچار ہوتی ہے تو اس کے بدترین اثرات دیہات پر مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ان کی آوازیں شہروں تک پہنچ ہی نہیں پاتیں۔ کیونکہ نفسانفسی کے اس عالم میں اہل شہر اپنے مسائل میں اس

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

طرح جُت جاتے ہیں کہ شاید دیہات تک ان کی نگاہیں پہنچ ہی نہیں پاتیں۔ اسی حقیقت کے پیشِ نظر عالمی جنگ کے خاتمے پر پریم چند نے گوشہ عافیت لکھا۔ اس ناول کے ذریعے پریم چند مکمل طور پر دیہی زندگی کی تصویر کشی کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس میں زمینداروں کی استحصالی فکر بھی ملتی ہے اور کسانوں کی پسماندہ سوچ بھی جو انہیں گھُٹ گھُٹ کر مرنے پر بھی مجبور کرتی ہے اور کبھی ان میں منوہر جیسے اذہان کو بھی جنم دیتی ہے جو زمینداروں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک موقع پر جب گاؤں کے زمیندار کو گھی کی ضرورت آن پڑتی ہے تو منوہر زمیندار کے بھیجے ہوئے کارندوں سے یوں مخاطب ہوتا ہے:

"کارندے کوئی ہوا نہیں نہ جمیندار کوئی کامٹو ہیں۔ یہاں کوئی دبیل نہیں ہے۔ جب کوڑی کوڑی لگا
چکاتے ہیں تو دھونس کیوں سہیں۔"۳

اس ناول میں پریم چند لگان کے موضوع پر تفصیل سے اظہارِ خیال کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کیسے بڑے بڑے زمیندار لگان کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے کسانوں کا استحصال کرتے ہیں اور بے چارے کسان اس لگان کی ادائیگی میں خون پسینہ ایک کر کے فصل بھی کاشت کرتے ہیں اور ان کے حصے میں بھی کچھ نہیں آتا:

"جس نے روپئے نہ دیے یا نہ دے سکا اس پر نالش کی۔ قرقی کرائی اور ایک کے ڈیڑھ وصول کیے۔ سکمی اسامیوں
کو یک قلم بے دخل کر دیا اور ان کی اراضیوں پر لگان بڑھا کر دوسری اسامیوں کے ساتھ بندوبست
کیا۔۔۔ سارے علاقے میں تہلکہ پڑ گیا۔ لوگ اضافی لگان سے بچنے کے لیے انہیں نذریں پیش کرنے لگے۔"۴

اقتصادی بحران کے نتیجے میں آفت محض غریبوں پر نہیں ٹوٹی تھی بلکہ زمینداروں کو بھی اس کا سامنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ برے دن آئے تو انہیں پوجا پاٹ یاد آگئی۔ لیکن بات یہاں تک محدود رہتی تو کچھ برا نہ ہوتا۔ افسوس ناک ترین بات تو یہ ہوئی کہ امیروں کی کئی مشکلات بھی غریبوں پر آن پڑیں اور خود کو مشکل سے نکالنے کے لیے وہ غریبوں پر مزید ظلم ڈھانے لگے۔ پریم چند کے ذیلی الفاظ اس منفی سوچ پر گہرا طنز ہیں جو بالآخر مفلسوں کے استحصال کی صورت ہی میں اپنا تحفظ تلاش کرتی ہے۔

پریم چند کا چوتھا ناول میدان عمل ہندوستان میں بیدار ہونے والے آزادی کے شعور کا غماز ہے۔ جو بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں بڑی تیزی سے پُختگی کے مراحل طے کر رہا تھا۔ بازارِ حسن، نرملا اور گوشہء عافیت میں زندگی کا معاشرتی پہلو ہمارے سامنے آیا تھا۔ پہلے دو ناولوں میں سماج میں فرسودہ روایات کی عکاسی تو کی گئی تھی لیکن سنجیدہ ٹکراؤ کی کیفیت نہیں تھی۔ گوشہء عافیت میں ٹکراؤ کسی حد تک نظر آنے لگا اور میدان عمل باقاعدہ تصادم کا ترجمان ہے جس میں ہندو مسلم تفریق سے بے گانہ ہو کر اہل ہند جدوجہد آزادی میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ یہ جدوجہد بیک وقت آزادی کی بھی ہے اور خوشحال طبقے کے بتوں کو توڑنے کی بھی۔ واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے کہ کفن، سوا سیر گیہوں، دودھ کی قیمت، پنچائیت، راہِ نجات اور ایسے دوسرے افسانوں نیز بازارِ حُسن اور نرملا میں معاشرتی برائیوں اور مسائل پر قلم اٹھانے کے بعد میدانِ عمل کی تخلیق تک پریم چند ہندوستانی عوام کو للکارے پر تیار ہو چکے تھے۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ محض برائیوں اور مسائل کو دکھا دینے سے لوگوں کے دل نہیں دہلتے۔ لہٰذا میدانِ عمل کے کردار سلیم کی زبان میں دراصل منی اور ایسی بہت سی دوسری لڑکیوں کی ہونے والی آبروریزی پر وہ بذاتِ خود اہلِ ہند کو للکارتے ہیں:

"تم اتنے آدمی کھڑے دیکھتے رہے اور تم سے کچھ نہ ہو سکا۔ تمھارے خون میں ذرا بھی جوش نہ آیا۔ سب
سب جا کر مر کیوں نہ گئے۔"۵

پریم چند آغازِ زیست ہی میں مروجہ معاشرتی نظام کے خلاف بر سرپیکار ہونے کے متمنی تھے اور اس نظام کو بدلنے کے لیے انہوں نے بخوبی اپنے قلم کا استعمال کیا۔ لیکن اب وہ وقت آ گیا تھا جب ان کے خیال میں یہ نظام تہہ و بالا ہونے والا تھا۔ کیونکہ ایک ایسا انقلاب آنے والا تھا جسے پریم چند کی دور بین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا۔ لاشعور میں مارکسی نظریات اور منظر نامے پر انگریز کے خلاف ہندو مسلم جدوجہد انہیں ایک نئے انقلاب کی نوید دے رہے تھے۔ امر کانت کے الفاظ میں بیان کردہ انقلاب دراصل پریم چند کے خوابوں کا عکس ہی ہے۔ وہ انقلاب جو امر کانت کے مطابق:

"زندگی کے غلط اصولوں کا۔۔۔ مہلک رسوم کا۔۔۔ اور بندشوں کا خاتمہ کرے گا۔ جو مٹی کے ان گنت
دیوتاؤں کو توڑ پھوڑ کر زمین دور کر دے گا جو انسان کو ثروت اور مذہب کی بنیادوں پر ٹکنے والا نظامِ
حکومت سے آزاد کر دے گا۔"۶

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

اس میں کوئی شک نہیں کہ موضوع کے اعتبار سے میدانِ عمل مضبوط ناول بھی ہے اور کامیاب بھی۔ اسے جدلیات پر لکھے گئے ابتدائی اردو ناولوں میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ تاہم پریم چند اس ناول میں جذبات کی رو میں کچھ ایسے بہہ گئے کہ ناول کے کرداروں میں دے زندگی کی روح بجھ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ سلیم، امرکانت، سکھدا، منی، نینا جیسے کردار تمام تر مثبت افکار کے باوجود پریم چند کی انگلیوں پر ناچتی ہوئی پتلیاں معلوم ہوتی ہیں۔

پریم چند کا آخری ناول "گؤدان" ہے۔ اس ناول میں بھی دیہی زندگی اور کسانوں کے استحصال کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ پریم چند اپنے دور کے کسان کا وہ روپ سامنے لاتے ہیں جس کی زندگی بیج بونے، لگان دینے، ہر جانے بھرنے اور مر جانے پر اپنی بیوی کے دوپٹے کے پلو میں بندگی آخری رقم کو دان کروا دینے سے عبارت ہے۔ ہوری بذاتِ خود ایک ایماندار اور محنتی کسان ہے لیکن اس کے بھائی اور بیٹے کے کالے کرتوت اس کی زندگی کو اجیرن کر کے رکھ دیتے ہیں۔ عمومی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ افسانہ نگاری کی طرح اپنے ناولوں میں بھی پریم چند نے کسانوں کے ہونے والے استحصال کو موضوع بنایا ہے۔ تاہم "گؤدان" کا عمیق مطالعہ ہماری توجہ اس حقیقت کی طرف بھی راغب کرتا ہے کہ بسا اوقات کوئی انسان دوسروں کے گناہوں کا خمیازہ بھگتتے بھگتتے زندگی کی بساط پر اپنی زندگی بھی ہار دیتا ہے۔ یہ درست ہے کہ پریم چند کا محبوب موضوع کسانوں کا استحصال ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس ناول کو بھی اسی تناظر میں پڑھا جائے۔ پریم چند کے ذیلی بیان کو اس تناظر میں بھی پڑھا جا سکتا ہے کہ ہوری ایک ایسا شخص ہے جو تمام تر کوشش اور کاوش کے باوجود ان مصائب و آلام سے گزر رہا ہے جس کا محرک وہ خود نہیں ہے:

> "آج تیس سال زندگی سے لڑتے رہنے کے بعد وہ ہار گیا۔ اور ایسا ہارا گویا شہر کے پھاٹک پر کھڑا کر دیا گیا ہے اور جو جاتا ہے اس کے منہ پر تھوک دیتا ہے۔ وہ چلّا چلّا کر کہہ رہا ہے، بھائیو! میں رحم کا مستحق ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ جیٹھ کی لو کیسی ہوتی ہے اور ماگھ کی برکھا کیسی ہوتی ہے۔ اس بدن کو چیر کر دیکھو اس میں کتنی جان رہ گئی ہے اور وہ کتنی چوٹوں سے چُور ہے اور ٹھوکروں سے کچلا ہوا ہے۔ اس سے پوچھو کبھی تو نے آرام کے درشن کیے ہیں، کبھی چھاؤں میں بیٹھا ہے۔ اس پر ذلت اور وہ اب بھی جیتا ہے۔ نامراد، لالچی، کمینہ، اس کا سارا اعتماد جو بہت گہرا ہو کر ٹھوس اور اندھا ہو گیا تھا گویا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔"[۷]

ظاہر ہے ہوری کے اس حال کا محرک صرف وہ استحصالی نظام نہیں۔ اس نے پہلا ہر جانہ بھرا تو محرک اس کا اپنا بھائی ہیرا تھا۔ دوسرے ہر جانے کی دفعہ اس کے بیٹے گوہر نے مشکل میں ڈالا۔ گویا اس ناول کو اس کے وسیع تر کینوس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پڑھا جانا چاہئے۔ کسانوں کے مصائب و آلام پر قلم اٹھانا پریم چند کا خاصا رہا ہے۔ تاہم کوئی بھی باشعور قاری اس ناول سے مفلوک الحال انسان کی کہانی بھی اخذ کر سکتا ہے۔ یوں پریم چند کے ناولوں میں اپنے عہد کے معاشرتی حالات جیتے جاگتے دیکھے جا سکتے ہیں۔ جس دور میں پریم چند نے ناول نگاری کا آغاز کیا اس وقت ان کے سامنے معیاری ناولوں کے بہت سے نمونے نہ تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد کی ناول نگاری سے صرف ناول لکھنے کا حوصلہ پکڑا جا سکتا تھا۔ ان کے ناولوں میں بُنت کے اعتبار سے آئندہ ناول نگاروں کو دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ عبدالحلیم شررؔ کے تاریخی ناولوں کا میدان پریم چند کے فطری میلان سے مختلف تھا۔ علامہ راشد الخیری کا اصلاحی روحان اور مرزا ہادی رسوا کی چند تحریریں یقیناً موجود تھیں تاہم اردو ناول نگاری کی تاریخ میں ان سے آگے نکل کر ہی نام اور مقام پیدا کیا جا سکتا تھا۔ یوں بھی ناول نگاری کی یہ ابتدائی مثالیں پیروی کے لیے نہیں محض نمونے کے لیے کافی تھیں۔ وہ نمونے جن سے اختلاف ہی آئندہ کے لیے مثال بن سکتا تھا۔ چنانچہ پریم چند نے قصہ گوئی کے فطری انداز کو اپناتے ہوئے ہندوستانی معاشرے کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا اور اردو ناول کے امکانات روشن کیے۔ "بازارِ حُسن" اور "نرملا" ہندوستانی عورتوں کی صورتِ حال کے آئینہ دار ہیں اور "گوشہء عافیت" اور "گؤدان" ہندوستانی دیہات کی تصویر کشی جب کہ "میدانِ عمل" اس دور میں بیدار ہونے والے جذبہ حریت کا امین ہے۔ مجموعی طور پر پریم چند کے ان پانچوں ناولوں میں بیسویں صدی کے ربع اول میں پائی جانے والی مختلف معاشرتی برائیوں، منفی رویوں، بے ہودہ رسومات، استحصالی رجحانات، ہوس و حرص کے واقعات اور طبقاتی کشمکش اپنے تمام تر نوحہ و گریہ کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پریم چند نے اردو ناول نگاری میں سماجی پہلوؤں کو اجاگر کر کے اردو ناول میں معاشرتی پہلو کی وہ روح پھونک دی جو آج تک ہر ناول نگار کے لیے مثالی نمونہ ہی نہیں مشعلِ راہ بھی ہے۔

حواشی و حوالہ جات:

۱۔ پریم چند، "سوز وطن"، نئی دہلی، پرنس بک ڈپو، ۱۹۸۷ء، ص ۳

۲۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، "ناول نگاری اور اردو ناول کی تاریخ و تنقید"، لاہور، میری لائبریری، ۱۹۶۶ء، ص ۱۹۵

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol. 6 No. 1 2022

۳۔ پریم چند، "گوشہ ءعافیت"، لاہور، اتحاد پریس، ۱۹۲۹ء، ص ۲۰

۴۔ ایضاً، ص ۸۰۔۸۱

۵۔ پریم چند، "میدان عمل"، لاہور، دہلی، مکتبہ ءجامعہ، ۱۹۲۵، ص ۲۵۰

۶۔ ایضاً، ص ۱۱۷

۷۔ پریم چند، "گئودان"، دہلی مکتبہ ءجامعہ، ۱۹۷۲ء، ص ۴۵۷